افتتاح کلام

قرآن کریم عالم بشریت کی ہدایت کا ضامن ہے کیونکہ یہ وہ نور ہے جو منبع نور کی جانب سے عالم ظلمانی کی تاریکیوں کو ہدایت کی روشنی میں بدلنے کے لیے رمضان المبارک کے عظیم اور بابرکت مہینے میں نازل ہوا۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم انسان کی مادی اور معنوی دونوں طرح کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ انسان فطری طور پر کسی عقیدے کو اپنانے پر مجبور ہے بغیر مذہب اور عقیدہ کے انسان کا جینا محال ہے لیکن فطری اور عقلی پیاس کو قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب بجھا نہیں سکتی اس لیے کہ ہر دوسری کتاب چاہے وہ آسمان سے منسوب ہی کیوں نہ ہو زمین والوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہی لہٰذا عابد و معبود کے مابین تعلق اور رابطے کا مضبوط ترین راستہ یہ آسمانی الہامی کتاب ہے۔ جب یہ بات طے ہے کہ آسمان اور زمین والوں کے مابین' اللہ اور بندہ کے درمیان محبوب ازلی اور محب میں رشتہ اور تعلق جوڑنے کا بہترین ذریعہ یہی صحیفہ آسمانی ہے اور اسی کے ذریعے سے بندہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خطاؤں کے باوجود رب الارباب کی رحمت بے کراں میں غوطہ ور ہو سکتا ہے اور اپنی روح پر پڑے ہوئے گناہوں اور آلودگیوں کے زنگ کو دھو سکتا ہے تو ضرورت ہے کہ اس صحیفہ آسمانی کی تعلیمات' احکامات اور معارف کو انسانی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے اور روز حشر نبی کریمؐ کی اس شکایت کا مصداق بننے سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"

اے میرے رب! میری اس قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

ارض پاک یعنی پاکستان کو اسلامی مملکت کو اسم بامسمیٰ ہونا چاہیے تھا جس کے لیے ضروری تھا کہ قرآن معاشرے کی رگ و پے میں سرایت کرے اور ہمیں اپنے چاروں طرف قرآن کی تعالیم پر عمل ہوتا نظر آئے' اور لوگ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر معاشرے میں دیکھیں لیکن اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ اگرچہ اب بھی ایسے خواب دیکھنے کا وقت ختم نہیں ہوا' کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ خواب دیکھے

جائیں تو تبھی تعبیر بھی ملتی ہے، یہ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر حکومتی سرپرستی، علمائے اسلام کی انتھک جدوجہد، اسلامی تنظیموں کی اجتماعی کوشش، علمی اور تحقیقاتی اداروں کی مسلسل محنت اور اہل تحقیق و مؤلفین کی عرق ریزی کے بغیر دیکھنا ممکن نہیں۔ اسلام اور قرآن کے نام پر منصہ شہود پر آنے والی مملکت خداداد کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ اس ملک میں موجود وسائل کو اسلام کی ترجمانی، امت مسلمہ کی بیداری، مسلمانوں میں وحدت و اخوت کے فروغ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کرنے کی بجائے مغربی ثقافت کے فروغ، لسانیت، قومیت اور فرقہ واریت کو ہوا دینے اور عوام کو آپس میں لڑا کر مفاد پرستوں کو جیبیں بھرنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بروئے کار لایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی نظریاتی بنیادوں کی طرف لوگوں کی توجہ کم سے کمتر ہوتی چلی گئی اور جغرافیائی و لسانی فاصلے زیادہ سے زیادہ ہوتے گئے لہٰذا سچا پاکستانی اور مسلمان کوئی نہ رہا جبکہ علاقائی پہچان اور شناخت ہی اس مظلوم قوم کا خاصہ بن گئی۔ کسی قوم اور ملک کی بقا اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی نظریاتی اساس مستحکم ہو اور اس کی نظریاتی پہچان ہی اس کی شناخت ہو، من حیث القوم مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کریم ہماری مشترکہ دینی، عقیدتی، قومی، ثقافتی اور نظریاتی اساس ہے جس کی طرف پلٹنے سے ہماری اکثر مشکلات ختم ہوسکتی ہیں اور ہماری قوم ایک سرخ رو قوم بن کر ابھر سکتی ہے۔

لہٰذا اسلام اور پاکستان کے نام لیوا تمام لوگوں کی حسب استطاعت ذمہ داری ہے کہ قرآن کریم کی روح پرور تعلیمات کے احیاء کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں اور "تعاونوا علی البر والتقویٰ" کے مطابق اس کار خیر میں تنازعہ کیے بغیر حصہ لیں اور ایسی صورت میں ان تعالیم کو پیش کریں جو عقل و منطق کے مطابق ہو اور ہر فرقہ اور ہر انسان اس سے استفادہ کرسکے۔

مجلّہ "المیزان" کی بنیاد اسی نیت خیر کے ساتھ رکھی گئی ہے اور یہ اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے ایک چھوٹی سی کوشش کے مترادف ہے۔ اب جبکہ یہ رسالہ اپنی عمر کا ایک سال طے کرچکا ہے ضرورت ہے کہ اس میں متنوع موضوعات اور عناوین پر اہل تحقیق قلم فرسائی کریں اور قرآن کے اسرار و رموز سے پردے اٹھائیں تاکہ طالبان علم، معارف قرآن سے علمی تشنگی بجھاسکیں۔ المیزان کے صفحات ایسی تمام تحقیقی تحریروں کے لیے حاضر ہیں۔

والسلام

محمد امین شہیدی

سورہ لقمان کے اہم موضوعات

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

اس سورہ مبارکہ میں توحید کی سچائی اور معقولیت' شرک کی نامعقولیت و لغویت کے ذکر کے بعد آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے روکا گیا ہے اور ان تعلیمات پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے جو رسول کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں قدیم فلسفی سیدنا لقمان کے اقوال کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ گذشتہ واقعات اور ضرب الامثال بات کی وضاحت میں مفید کردار ادا کرتے ہیں اور اس دور میں حضرت لقمان کی حکمت و دانش کا ذکر اس دور کے شعراء و خطباء کے ہاں مروج بھی تھا۔ اخلاقیات کے ضمن میں اقامت صلوٰۃ' زکوٰۃ کی ادائیگی' امربالمعروف و نہی عن المنکر' شکر' اعمال صالحہ اور اطاعت والدین کا ذکر ہے جبکہ تکبر' شرک' کفر' گمراہی اور دین کے استہزاء سے رکنے کی تلقین کی گئی ہے۔

الٓمّٓ ○ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ○ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

الف' لام' میم۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکو کاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو نماز کی پابندی کرتے' زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔ (سورہ لقمان۔ ۱۔۵)

نیکو کار کون؟

سورہ کا آغاز قرآن مجید کی عظمت اور ثمرات کے ذکر کے ساتھ ہے کہ یہ کتاب صرف نیکو کاروں

کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ نیکو کار کون ہیں عام خیال یہ ہے کہ نیکو کار ایک مافوق الفطرت قسم کا انسان ہوتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا حالانکہ نیکو کار سے مراد وہ شخص ہے کہ جو نیکی کے کاموں کا عزم کرلے اور اس کے مختلف درجات ہیں۔

۱۔ ایک کافر کی نیکی یہ ہے کہ وہ ہدایت کی تلاش میں نکل کھڑا ہو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

۲۔ ایمان کی قبولیت کے بعد نیکی یہ ہے کہ آدمی ارکان اسلام پر کاربند ہو جائے۔

۳۔ اور پھر ہر لمحہ سنت و مستحبات کا اہتمام اس انداز سے کرے کہ اس کی اپنی شخصیت و ذات فنا ہو جائے اور وہ خالق کے احکام اور سنت نبوی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ نظر آئے۔

عام طور پر ہم نیکو کار کے آخری معنی کو لے لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ نیکو کار کو مزید کیا ہدایت ملے گی؟ یہ بات اس انداز سے درست نہیں۔ اس لئے قرآن مجید ہر انسان کے لئے وہ چاہے جس درجہ اور جس مقام پر بھی ہے ہدایت اور رحمت ہے' بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طلب پیدا ہو جائے اور پھر یہی طلب کامیابی کی تمام منازل سے ہمکنار کردے گی۔

بد کرداری کے علمبردار

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس طلب رحمت کے جذبہ کو ختم کرنے یا کم از کم بھکانے کے لئے مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ حکایات (و آلات) خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کی جہالت کے سبب اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اس سے استہزاء کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا اور جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ان کو اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں بوجھ ہو۔ ان کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ (سورہ لقمان ۶۔۷)

اس میں وہ سارے لوگ شامل ہیں جو ایسے آلات بناتے' خریدتے اور استعمال کرتے ہیں جن کے باعث انسان کو گمراہی کے راستوں پر دھکیلا جا سکے۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین و محدثین نے آلات مزامیر (گانے بجانے کے آلات) اور ان حکایات اور کہاوتوں کو شمار کیا ہے جن کی لذت و سرور میں عام انسان بہہ جاتا اور احکام الٰہی سے دور ہو جاتا ہے' اس قسم کے لوگوں کے لئے دو قسم کے عذاب

کا ذکر ہوا ہے۔

۱۔ ذلیل کرنے والا عذاب ۲۔ درد ناک عذاب

اور آج ہماری اکثریت اسی گمراہی و ضلالت کی راہ پر چلتی ہوئی اپنے عبرت ناک انجام کو قریب کر رہی ہے۔

اثبات توحید اور لقمان

اس ذکر کے بعد توحید کے اثبات اور شرک کی تردید پر دلائل ہیں اور پھر سیدنا لقمان کی نصیحتیں ہیں۔ یہ لقمان کون تھے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے دور میں یہ حبشی غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و دانش سے نوازا تھا۔ یہاں ان کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ○ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ○ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ○

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے' اور ہم نے اس کو یہ تاکید کی کہ میرا شکر بجا لا اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن والدین اگر تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہر گز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر' مگر پیروی

اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو اور لقمان نے کہا کہ بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو' اللہ اسے نکال لائے گا' وہ باخبر ہے۔ بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے' بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے' اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے' لوگوں سے منہ پھلا کر بات نہ کر' نہ زمین پر اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود غرض اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ اور سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔ (لقمان ۱۳-۱۹)

یہ لقمان کی نصیحتیں ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی ہیں۔ اس میں شرک سے روکنا اور توحید کی طرف بلانا ہے۔ اس کے فوراً" بعد والدین کے حقوق اور ان سے نرمی کا حکم ہے اور فرمایا ہے کہ خدا نا خواستہ وہ تجھے دین حق سے ہٹائیں تو دنیوی معاملے میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو لیکن پیروی ان کی بجائے اللہ والوں کی کرو اور فرمایا کہ تم جیسے بھی اعمال کرو گے جہاں کہیں بھی کرو گے وہ اعمال آسمانوں میں ہوں' زمین میں ہوں یا کسی چٹان میں ہوں' وہ نہ اللہ تعالیٰ سے چھپے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ انہیں بھولے گا' وہ انہیں نکال کرلے آئے گا۔

نماز' امربالمعروف' نہی عن المنکر' صبر اور اخلاق حسنہ کی تلقین کی کہ لوگوں کے ساتھ بات کریں تو اس طرح سے نہیں کہ اس میں تکبر کا پہلو ہو۔

بات اتنی سی ہے اے واعظ افلاک نشیں
کیا ملے گا اسے یزداں جسے انسان نہ ملا

توحید اور روایت پرست جاہلوں کا کردار

ان نصیحتوں کے بعد پھر مسئلہ توحید کی عظمت کو اجاگر کیا اور روایت پرست ابلھوں کی ایک بات بیان فرمائی

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ○

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی' اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی؟) (لقمان ۲۱)

کفار کسی بھی دور کے ہوں، وہ تعلیمات حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی بات کہتے ہیں کہ ہم ان روایات اور قدروں کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمارے باپ دادا کی ہیں، ان کو سمجھایا گیا کہ غور کرو کہ اگر تمہارے باپ دادا کو شیطان نے بہکا رکھا ہو اور وہ دوزخ کے عذاب کی جانب بڑھ رہے ہوں اور تمہیں اس بات کا پتہ چل جائے تو پھر کیا کرو گے؟

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی چھوڑ خضر کا، دریا بھی چھوڑ دے

نیکو کاروں کا انجام

اس کے بعد راہ حق کو اپنانے والوں کا انجام مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

اور جس شخص نے اپنا آپ اللہ کے حوالے کر دیا اور نیکو کار بھی رہا تو اس نے مضبوط دستاویز ہاتھ میں لے لی۔ (لقمان ۲۲)

گویا نجات کا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مضبوط دلائل والی کتاب پر گامزن ہو جاؤ۔ اور بایں ہمہ اگر کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری کے نمونے ہیں، مگر عبادت میں شرک کرتے اور گمراہی اپناتے ہیں۔

صفات الٰہیہ کا لامتناہی ہونا

پھر بتایا کہ زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کی تخلیق اللہ کے ہاں اس قدر ہی ہے جیسے ایک انسان کا پیدا کرنا۔

ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تو اس سے بھی برتر ہے، تو اس سے بھی اعلیٰ ہے

وہ قادر مطلق ہے اس نے رات، دن، سورج، چاند، کشتی، دریا، سمندر سبھی کچھ ہمارے تابع کر دیا ہے تاکہ ہم ان سے فائدہ حاصل کریں۔ لیکن انسان ناشکرا اور ناقدرا ہے۔ وہ جب مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے اور جب نجات مل جاتی ہے تو پھر بہک جاتا ہے۔

برائی سے بچنے کے لئے ڈھال

ان حقائق کے اظہار کے بعد انسان کو ایک ایسی بات کہی جو انسان کو گمراہی و ضلالت سے بچنے میں حد درجہ معاونت بہم پہنچاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ط اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○

لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو اور ڈرو اس دن سے جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہو گا۔ فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے۔ (لقمان۔ ۳۳)

دھوکہ باز سے مراد انسان کا کھلا دشمن یعنی شیطان ہے جو انسان کو بے بنیاد امیدیں فراہم کر کے عمل اور جد و جہد سے غافل کر دیتا ہے۔ ایک خطرناک دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں حضرت کی ارادت کام آئے گی' وہ آخرت میں دستگیری فرمائیں گے اور حساب و کتاب کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔ آیت مذکورہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے اور بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آسکے گا' ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہو گا' ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔

ایسی صورت حال میں بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی کے آنے کی مجال نہیں۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تن تنہا خود جواب دہ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حل ہے کہ ہر شخص الگ الگ خود اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ سیدھا کر لے اور اپنے رب کے غضب سے ڈر کر رہے۔

قیامت

قیامت کے بارے میں فرمایا کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کا بدلہ نہیں بنے گا۔ کسی کے عمل کی سزا کوئی اور شخص نہیں اٹھائے گا۔ کسی شخص کا عمل کسی دوسرے شخص کے عمل کے لئے' گناہ کے لئے' کفارہ نہیں بنے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہو گا اور تنہا اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔ یہاں عیسائیت کا وہ مشہور عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر لٹک کر خود جان دے دی اور سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا' غلط ثابت کیا گیا ہے۔

اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہاں کے غلط عقائد تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں۔ یہ غلط گھڑنے والا شیطان ہے جو دھوکے باز ہے اور تمہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے کہ میرے گناہوں کا کفارہ یا کسی کی سفارش یا کسی کا آستانہ میرے کام آ جائے گا۔ یقین کر لیجئے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا' صرف اپنے عمل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کام آئے گی۔

اس سورہ کی آخری آیت میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ○

بلا شبہ اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلا شبہ اللہ سب باتوں کو جاننے والا با خبر ہے۔

(لقمان ۳۴)

۱۔ قیامت

۲۔ بارش کا اترنا۔ یہاں یہ اعتراض ممکن ہے کہ محکمہ موسمیات والے پیش گوئیاں کرتے ہیں تو یاد رکھیے کہ بارش کے نازل ہونے کے ذکر میں صرف بارش کے نزول کی پیش گوئی نہیں بلکہ بارش کی مقدار، مقام، وقت بارش کے پانی کے فوائد و نقصانات اور اس کے اثرات سبھی کچھ مراد ہیں۔

۳۔ حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس سلسلے میں بھی الٹرا ساؤنڈ (Ulterasound) ایک جدید طبی آلہ ہے جس سے جنین کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اس حاملہ سے پیدا ہونے والا نر ہے یا مادہ، زندہ رہے گا یا نہیں۔ کتنی زندگی پائے گا، کیا عمل کرے گا؟ کیا کمائے گا اور کیا کھائے گا۔ اس کا نزول و قیام کتنا، کہاں کیسے اور کب ہو گا وغیرہ۔ یہ سبھی چیزیں مراد ہیں۔

۴۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ ہر متنفس کے آئندہ دن اور زندگی کے معمولات کیا ہوں گے؟ گو کہ ہم پروگرام مرتب کرتے ہیں مگر وہ پروگرام اکثر خراب بھی تو ہو جاتے ہیں گویا ہم اپنے پروگرام حتمی طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ اسی لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ **عرفت ربی بفسخ العزائم** میں نے عزائم کے پورا نہ ہو سکنے سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔

یعنی ہم نے پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک بنایا تھا۔ عزم بھی پختہ تھا۔ اسباب بھی فراہم کر لئے تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہوتے مگر عملاً" یہ دیکھا کہ کسی غیبی طاقت نے سارا کھیل بگاڑ دیا، اسباب بے وقعت ہو کر رہ گئے، پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا اور عزم پورا نہ ہوا۔ یہ غیبی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

۵۔ کسی متنفس کی موت کہاں آئے گی؟ اس کا علم حاصل کرنے میں تو انسان بالکل ہی عاجز ہے۔

✵ ✵ ✵

قرآن میں نقطے اور حرکات

ڈاکٹر محمود رامیاد

صحابہ کرامؓ مصحف کریم کو کس طرح لکھتے تھے؟ مشہور بات ہے کہ ان کی تحریر نقطے اور ہر طرح کی علامت سے خالی تھی۔ اس میں نہ نقطہ تھا' نہ زیر زبر یا پیش ----اور اس سے بڑھ کر الفاظ میں حروف علتہ (الف' واؤ' یاء) بھی نہیں لکھے گئے کہ اس کی کچھ مثالیں یہاں دیکھی جاسکتی ہیں:

"قل" کے معنی کہو اور "قال" کے معنی ہیں کہا یہ دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا تھا۔ طب کی قرائت' طاب کے ساتھ ہوتی۔ "کتب" اسم و فعل' مفرد و جمع' معلوم و مجہول میں مشترک تھی۔ وہ "مسلمات" کو "مسلمت" اور "کافرون" کو "کفرن" لکھتے۔ "رجل" ایک مرد کے معنی میں بھی اور "رجال" یعنی کئی مرد کے طور پر بھی پڑھا جاتا۔ مزید یہ کہ اس خط میں نقطے نہیں تھے' نتیجہ یہ کہ اس کا پڑھنا زیادہ مشکل اور پیچیدہ تھا۔

غور کیا جائے تو کم زبانیں ہوں گی جن کا عربی کی مانند صحیح پڑھنا' بولنا اور سمجھنا اعراب سے وابستہ ہے۔ عربی میں اگر ایک زیر یا زبر میں غلطی ہو جائے (جیسا کہ ابوالاسود کی داستان میں آئے گا) تو ایک جملے کے معنی الٹ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اور یہی ایک زیر یا زبر کفر اور ایمان کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے۔

سالہا سال تک قرآن ہاتھوں ہاتھوں آگے بڑھتا رہا اور سرمایہ زبان واطمینان اور مسلمانوں کے دلوں کا مونس بنا رہا۔ اس کے باوجود کہ اس میں نقطے یا زیر وزبر موجود نہیں تھے' عربوں کو ان کے دو بنیادی اور حقیقی اوصاف نے اس سے مشکل سے چھٹکارا دیا۔ ایک ان کا ذوق سلیم اور دوسرا ان کا قوی حافظہ تھا۔

غیروں سے راہ و رسم بڑھانے سے پہلے ان کی یہ دونوں صفات ان کو غلطیوں سے دور رکھتی تھیں۔ بدوی عرب فصیح زبان میں کلام کرتا اور اس کو شعر و خطابت سے انس اور الفت تھی۔ وہ اپنے تمام وجود سے قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا ادراک کرتا' قرآن کی ہر آیت کی تلاوت اس کے دل پر نقش اور اس کے ذہن پر اثر انداز ہوتی۔ وہ دل و جان سے کلام الٰہی کا شیفتہ اور دلدادہ تھا اور اس پر سچائی سے ایمان رکھتا تھا۔ یہ ''امی'' لوگ تھے جو زندگی کی ہر چیز کو اپنے حافظے کے سپرد کرتے اور اسی سے واپس حاصل کرتے۔ لکھا ہوا قرآن ان کے لئے یاددہانی اور ذکر کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ اس کے لفظ لفظ سے مانوس تھے' اس کا حرف حرف پہچانتے تھے اور کوئی شب ایسی نہ گذرتی کہ ایک مسلمان اس کا کچھ حصہ نہ پڑھتا ہو۔ نیز کوئی دن نہ گذرتا کہ جس میں مسلمان کلام خدا سے کچھ آیات زبان پر نہ لاتے ہوں۔ پھر تلاوت حفظ اور آیات قرآنی سے تمسک کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ بعض لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو کو بھی آیات قرآن سے زینت بخشتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنا مدعا و مطلب آسمانی آیات کے ذریعے بیان کرتے۔

اس لئے شروع میں نقطوں اور زیر و زبر کی ضرورت کا کوئی خاص احساس نہیں ہوا۔ زبان پر ان کی گرفت اور اس پر کامل احاطہ اس کا سبب بنا کر صدیوں بعد آج بھی ایسے علماء ہیں جو زیر و زبر کی مدد سے تلاوت کو اپنی اہانت سمجھتے ہیں اور بجز خاص مواقع کے اس سے استفادہ نہیں کرتے۔

مگر دنیائے اسلام صرف عرب تک محدود نہیں رہی کیونکہ مختلف ملتوں اور قوموں کے لوگ اور آزادی و خدا شناسی کے دلدادہ انسان گروہ در گروہ اس طرف آتے گئے۔ اسلام کے آغاز سے ہی ایرانی و قبطی' ارمنی و آرامی' ترک و تاجک اس سرچشمہ فیض اور سعادت کے ازلی منبع کی طرف رخ کرنے لگے۔ یہ عرب نہیں تھے بلکہ غیر یعنی عجم شمار ہوتے تھے۔ ممکن ہے عربی زبان سے قطعی آشنا نہ ہوں اور ساری عمر عربی کا ایک لفظ بھی نہ سنا ہو۔ مگر قرآن' نماز اور دعائیں پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے تھے اور ان کے لئے ضروری تھا کہ قرآن پڑھنا سیکھیں۔ اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ غیر عرب کیلئے یہ کام کس قدر محنت طلب تھا۔ وہ بھی نامانوس رسم الخط اور بغیر نقطوں اور زیر و زبر کے!

یہی وجہ تھی کہ پڑھنے میں لغزش کا امکان بہت تھا اور غلطیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اب کیا معلوم کہ یہ لغزشیں شروع ہی سے ہوں کہ جن کو حضرت عثمانؓ نے 'لحن' سے تعبیر کیا اور کہا ''جو لحن اس میں موجود ہے اس کی عرب خود ہی اصلاح کرلیں گے'' اس بات کو حضرت عمر سے بھی منسوب کیا گیا ہے یا پھر بی بی عائشہؓ سے جو اس کو کاتبوں کی غلطی شمار کرتی ہیں۔ (۱)

اسلام کے حیرت انگیز طور سے چار اطراف میں پھیلنے سے اس بات میں زیادہ مسائل پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک عرب اور عجم کی آمیزش تھی جس کے نتیجے میں عربی زبان میں کمی بیشی کے امکانات پیدا ہوئے اور فصحائے عرب کی زبان میں بھی لغزش اور لحن کی صورت پیدا ہو گئی۔

جو لوگ اپنی زبان کی رسائی اور گویائی کے سخت پابند تھے' ان کے لئے تلفظ اور گفتگو میں لغزش ایسا گناہ شمار ہوتا جو بخشا نہ جائے۔ پھر اگر ایسی لغزش خدائی اور آسمانی کلام میں ہو تو یہ نا قابل معافی گناہ سمجھا جاتا تھا اور یہ بات اپنے سارے مضمرات کے ساتھ عیاں تھی۔

غیر لوگ جو اس زبان اور خط سے نا آشنا تھے۔ وہ عربی زبان کی طرف آئے وہ اس کا سبب بنے اور مجبوری لغزش سے دوچار ہوئے۔ مزید بر آں خود عربوں کے مختلف قبائل مختلف لہجے اور تلفظ کے حامل تھے اور وہ ایک دوسرے سے بہت اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ مختلف نوعیت کے اختلافات ساتھ ساتھ چلتے رہے اور جیسا کہ کہا گیا "ملاحن اور تصحیفات" در پیش ہوئیں۔

ابو احمد عسکری نے کہا۔ قرآن کو چالیس سال سے کچھ اوپر (عبد الملک کی خلافت تک) مصحف عثمانؓ سے پڑھتے رہے۔ اس دوران بہت سی تصحیفات (لکھنے پڑھنے میں غلطیاں) ہوئیں اور عراق میں پھیل گئیں۔ (۲) ممکن ہے اس سے مراد قرآن کے بعض الفاظ اور حروف میں قرائت کی لغزش اور اشکالات ہوں۔ بہر حال ان لغزشوں اور 'لحن' نے لوگوں کو اس کے متعلق چارہ جوئی کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ انہیں خیال آیا کہ قرآن میں حروف پر نقطے اور اعراب لگائیں تاکہ حروف اچھی طرح پہچانے جا سکیں اور اپنے جیسے دوسرے حروف سے مشتبہ نہ ہوں۔ نیز حروف کی حرکات بھی مقرر ہو جائے۔

اعجام اور نقطہ گزاری

اعجام باب افعال کا مصدر ہے اور عربی زبان میں باب افعال کے ایک معنی سلب یعنی فعل کی جڑ کو نکال لینے کے ہیں جیسے اعجمت الکلام "کسی کلام سے سکتے اور ابہام کو دور کرنا۔ چنانچہ حروف پر نقطے لگانے اور ان پر زیر زبر لگانے سے کلام کا ابہام اور سکتہ ختم ہو جاتا ہے' اس لئے اس کو "اعجام" کہا جاتا ہے۔

شروع میں اعجام صرف نقطے لگانے سے انجام پاتا تھا اور اصلاح میں نقطہ گزاری کے دو تر یبی معنی ہیں۔

ا۔ مشابہ حروف میں امتیاز کرنے کے لئے نقطہ گزاری جیسے ب ت اور ث کے نقطے

۲۔ لفظ کی حرکات کی نشاندھی کے لئے نقطہ گزاری۔ جیسے فتحہ کی حرکت کی نشاندھی کے لئے ایک نقطہ اس کے اوپر اور کسرہ کے لئے ایک نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کے لئے حرف کے آگے یا درمیان میں لگادیتے تھے۔

قدماء بعض اوقات ان دونوں طریقوں کو ایک ساتھ اختیار کرتے اور مدور نقطہ لگاتے تاکہ حرف کی حرکت اور اس کا نقطہ دونوں واضح ہو جائیں۔

حرکات اور اعراب میں امتیاز کے لئے بھی نقطہ گزاری دو قسم کی تھی۔

ا۔ مدور طریقے سے نقطہ گزاری۔ اس سے قاری اپنے مصاحف میں اکثر استفادہ کرتے اور مشہور ہے کہ ابو الاسود دوئلی نے اس کو وضع کیا تھا۔

۲۔ خاص شکل جس کو شکل شعر بھی کہا جاتا ہے' جیسے مختلف علامت کہ جنہیں تشدید' ہمزہ' ضمہ' فتحہ اور کسرہ کہتے ہیں اور پہلی بار خلیل بن احمد نے ان کو وضع کیا۔ مثلاً تشدید کی علامت (ّ) کو لفظ 'شدید' کے اول حرف سے لیا' ضمہ دراصل چھوٹا 'واو' ہے جو حرف کے اوپر لگایا جاتا ہے۔ جبکہ کسرہ چھوٹی 'ی' اور فتحہ چھوٹا 'الف' ہے جس کو حرف کے اوپر لگایا جاتا ہے۔

نحو و لغت کے علما اس ترتیب کو شعر اور لغات کے لئے استعمال کرتے' مگر قاریوں اور مصاحف کے نقطہ گزاروں نے اپنے سے پہلوں کی پیروی کرتے ہوئے قرآن کے لئے شروع میں اس سے استفادہ نہیں کیا۔

بے شک دونوں طریقوں سے مقصود ایک ہی جاتا تھا اور یہ دونوں صرف شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف تھے نقطہ گزاری مدور شکل میں تھی مگر جب ''شکل'' کہا جاتا تو اس میں ضم' فتح' ہمزہ اور شد بھی شامل ہوا کرتا تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ حروف میں امتیاز کرنے کے لئے کب سے نقطہ گزاری شروع کی گئی۔ یہ تو قدرتی بات ہے کہ ب' ی' ت' ث اور ج' ح' خ وغیرہ میں فرق کرنے کے لئے خود اہل زبان بھی کسی علامت کے محتاج تھے۔ ممکن ہے یہ علامات' حرکات کی علامات سے پہلے وجود میں آچکی ہوں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ مصاحف میں قرآن مجرد تھا۔ پہلی دفعہ 'ی' اور 'ت' کے حروف پر نقطے لگائے گئے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ اس کا نور ہے۔ بعد میں آیت کے آخر میں نقطہ لگایا گیا اور بالآخر فواتح اور خواتم کا تعین کیا گیا۔ (۳)

پہلی نقطہ گزاری

دوسرے بہت سے معاملات کی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ قرآن میں پہلی بار نقطہ گزاری کب کی گئی؟ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا! قرآن میں اعراب لگاؤ اور ان کے غرائب کو فصیح کرو۔ آپؐ کے صحابہ کا یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے جو قرآن کو پڑھتا ہے اور اس میں اعراب لگاتا ہے اس کو شہید کا درجہ ملے گا یا پھر عبداللہ بن مسعود نے کہا! قرآن کو اچھی طرح رکھو، اس کو خوش الحانی سے پڑھو اور اس میں اعراب لگاؤ کہ وہ عربی ہے۔(۴) یا قتادہ نے کہا قرآن میں پہلے نقطے لگاؤ اور پھر پانچ پانچ دس دس آیات میں علامت لگاؤ۔(۵)

ان روایات سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ نقطہ گزاری اور پانچ آیات اور دس آیات کا تعین اولاً پیغمبرؐ کے صحابہ کہ زمانے میں ہوا کیونکہ قتادہ خود تابعی ہے اور اس کی بات ان ہی کے متعلق ہے۔(۶)

ان ہی روایات کی سند سے خیال کیا گیا ہے کہ خود پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی اصحاب سے اعراب قرآن میں غلطی صادر ہوتی تھی اور اسی وجہ سے الفاظ پر اعراب لگانے کو کہا گیا تھا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ اگر روایت کی صحت فرض کی جائے تو جاننا چاہیے کہ اصحاب انوکھی باتوں (فہم غریب) کو اعراب کہتے تھے کیونکہ ان کے ذریعے وہ قرآن کے معنی کشف کرتے اور اشتباہ اور غلطی سے پیچھا چھڑا لیتے۔(۷)

مکہ اور مدینہ کے لوگ اپنے اپنے طور سے نقطہ گزاری کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے یہ روش ترک کر دی اور اہل بصرہ (ابوالاسود) کے طریقے کی پیروی کرنے لگے۔(۸) چنانچہ یہ کہا جا سکتا یہ کہ قرآن میں کم سے کم یہ طریقہ پہلے رائج نہیں تھا۔

وہ لوگ جنہوں نے پہلے پہل اس کام میں پیش رفت کی اور قرآن میں اعراب لگائے۔ روایات کے مطابق وہ چار اشخاص ہیں:

ابوالاسود دوئلی، یحییٰ بن یعمر، نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری(۹)

مگر حسن بصری (۱۰) کو اس کام کے آغاز کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ اس کام سے ان کو کراہت تھی۔(۱۱) ممکن ہے بعد میں انہوں نے اپنا خیال تبدیل کر لیا ہو (۱۲) اور اس سلسلے میں ان کا اس سے زیادہ حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ حسن بصری شروعات میں قرآن میں اعراب لگانے والے گروہ میں نہیں گنے جا سکتے، مگر جن دوسرے افراد کے نام ہیں ان کے کام کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔

ابو الاسود دوئلی (۱۳)

اس میدان میں سبقت کرنے والے دوسرے شخص ابو الاسود دوئلی ہیں۔ (۱۴) ان کے بارے میں مختلف انداز میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مثلاً انی ملکیہ کہتا ہے : حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک اعرابی مدینہ آیا اور فرمائش کی کہ کوئی اس کو قرآن پڑھ کر سنائے۔ کسی شخص نے اس کو سورہ براۃ سنائی' جب اس نے ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ (۱۵) کی قرائت کی تو لفظ رسولہ کو بجائے ضم لام سے پڑھنے کے کسر لام سے پڑھا۔ نتیجہ یہ کہ اس کے معنی بدل گئے (اللہ اور اس کا پیغمبر مشرکوں سے بیزار ہیں) اس کے بجائے معنی تبدیل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں اور اپنے پیغمبر سے بیزار ہے (معاذ اللہ) یہی بات اس عربی شخص کی سمجھ میں آئی۔ یہ قصہ حضرت عمرؓ کے کانوں تک پہنچا اور جو غلطی ہوئی تھی اس سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو صرف دانشور حضرات ہی قرآن سنایا کریں۔ پھر ابو الاسود سے فرمایا کہ وہ علم نحو کو وضع اور مرتب کریں۔ (۱۶)

ابو الاسود کی داستان دوسرے انداز میں بھی بیان کی گئی ہے۔

ابو الاسود نے اصول علم نحو حضرت علیؑ سے سیکھا ہے۔ (۱۷) اسی بناء پر اس علم میں اس کو بہت شہرت ملی۔ کچھ لوگوں نے اس سے یہ علم حاصل کیا جن میں سے ایک خراسان کا قاضی یحییٰ بن یعمر عدوانی اور دوسرا نصر بن عاصم لیثی تھا۔ ان دونوں نے بھی نحو' قرائت قرآن اور فنون ادب میں بہت مہارت حاصل کی تھی۔۔

اس زمانے میں بصرہ اور اس کے توابع کا والی زیاد بن سمیہ تھا۔ (۱۸) عتبی کہتا ہے اموی خلیفہ معاویہ نے زیاد کو ایک خط لکھا اور عبید اللہ ابن زیاد کو شام اپنے پاس بلایا۔ معاویہ نے دیکھا کہ اس کی زبان بہت خراب ہے اور گفتگو میں غلطیاں (لحن) بہت ہیں۔ معاویہ نے اسے اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا اور اپنے بیٹے کی تربیت میں کوتاہی پر اسے سرزنش کی۔ زیاد اپنے بیٹے کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا تو ابو الاسود کو بلایا اور عربی زبان میں جن خرابیوں نے راہ پائی تھی ان کا ذکر کیا اور کہا کہ کتاب خدا میں اعراب لگا دیں تا کہ لوگ غلطیوں سے کچھ کم دوچار ہوں۔ مگر ابو الاسود نے اس کام سے گریز کیا اور اس سے انکار کر دیا۔ مگر زیاد نے اپنا ارادہ ترک نہیں کیا اور ایک شخص سے کہا کہ راستے پر بیٹھ جاؤ۔ جب وہاں سے ابو الاسود گزرے تو بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنا۔ مگر یہ مت ظاہر کرنا کہ انکو سنا رہے ہو۔ اس شخص نے یہی کیا اور آیت ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ کو لام کے کسرہ سے پڑھا۔

ابوالاسود یہ سن کر پریشان ہوئے اور کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس سے عزیز تر ہے کہ وہ رسولؐ سے بیزاری کا اظہار کرے۔ پھر اسی وقت وہ زیاد کے پاس گئے اور کہا۔ میں تمہاری بات مانتا ہوں اور جو تم نے کہا تھا اس کو قبول کرتا ہو۔ میں نے قصد کیا ہے کہ قرآن میں اعراب لگانا شروع کروں' میرے پاس کاتب بھیجو۔

زیاد نے چند کاتب ان کے پاس بھیج دیئے۔ آپ نے ان میں سے ایک عبدالقیس کا انتخاب کیا اور اس سے کہا : مصحف کو اپنے ہاتھ میں لو اور سیاہ کے علاوہ کسی رنگ کو (سیاہی کے طور پر) تیار کرو۔ میں جب کسی حرف پر اپنے ہونٹوں کو کھولوں تو اس حرف کے اوپر ایک نقطہ لگادو۔ (یعنی فتحہ) جب ہونٹوں کو بند کرنے لگوں تو اس حرف کے نیچے ایک نقطہ لگاؤ (یعنی کسرہ)۔ جب دونوں ہونٹوں کو بند کرلوں تو نقطے کو حرف کے درمیان ڈال دو (یعنی ضمہ) اور سکون کی علامت کو دو نقطہ قرار دیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا شروع کیا اور وہ کاتب نقطے لگاتا چلا گیا۔ جب ایک صفحہ ختم ہو جاتا تو ابوالاسود اس پر نظر ثانی کرتے۔ اس طرح اس کام کو مکمل کیا اور سارے قرآن میں اعراب لگوادیئے۔ نیز وہ علامات بھی جو ان سے منسوب ہیں انہوں نے وضع کیں۔ (۱۹) لوگوں نے اس طریقے کو پسند کیا اور اس بارے میں ان کی پیروی کی۔ بعد میں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا۔ یہ طریقہ مقبول ہوتا گیا۔ اسی طرح تشدید کے لئے مدینہ کے لوگوں نے کمان ( ) کی طرح علامت وضع کی اور یہ کام آگے بڑھتا رہا۔ (۲۰)

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ابوالاسود نے یہ کام انجام دیا۔ مگر یہ واضح نہیں کہ زیاد (۲۱) کے حکم پر یا عبدالملک بن مروان (۲۲) کے فرمان پر انجام دیا تھا۔ یہ بات کہ انہوں نے از خود یہ کام کیا ہو کچھ معقول نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کی نقطہ گزاری کی۔ یہ ان میں پہلے آدمی ہوں (۲۳) مگر سب لوگ اس خیال پر نہیں ہیں۔

یحییٰ بن یعمر

ابن ابی داؤد دوسری ہی بات کہتا ہے۔ "پہلا شخص جس نے قرآن میں نقطہ گزرای کی ایک وہ یحییٰ بن یعمر تھا۔ (۲۴) کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے پاس ایسا مصحف تھا جس میں یحییٰ بن یعمر نے نقطہ گزاری کی ہوئی تھی۔ (۲۵) یحییٰ بصرہ کا مشہور قاری اور ایرانی النسل شیعہ تھا۔ (۲۶) مگر ہم جانتے ہیں کہ ابن سیرین نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی تھی۔ (۲۷) اس لئے اس زمانے میں نقطہ گزاری والا قرآن اس کے پاس ہونے کو ذہن قبول نہیں کرتا۔ (۲۸)

نصر بن عاصم لیثی

تیسرا شخص جو قرآن کی نقطہ گزاری کے سلسلے میں صف اول میں شمار ہوتا ہے (۲۹) وہ نصر بن عاصم ہے۔ (۳۰) وہ اپنے دو استادوں ابوالاسود اور یحییٰ بن یعمر کا وفادار شاگرد تھا۔ ابن خلکان کہتا ہے۔ حجاج نے جب قرائت قرآن کی آشفتہ حالی دیکھی تو اپنے کاتبوں سے کہا کہ حروف مشابہ پر علامت لگاؤ کہ ان کا پڑھنا آسان ہو جائے۔ یہ کام ایک شخص نصر بن عاصم کے ہاتھوں شروع ہوا جس نے سرکاری خطوط لکھنے میں نقطے لگانے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا کہ حرکات کی تشخیص ہو سکے۔ مگر چونکہ اس کے بعد غلطیوں کا امکان تھا اس لئے حرکات کا نقطہ گزاری کے ساتھ حروف پر نقطوں کا اضافہ بھی کیا گیا۔

اس کی عبارت اگرچہ ذرا پیچیدہ ہے مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد متشابہ حروف جیسے ب' ت' ث پر نقطہ گزرای تھی اور اسی کو اعجام کا نام دیا گیا۔ ابو احمد عسکری بھی اپنی کتاب "التصحیف" میں لکھتا ہے کہ نصر بن عاصم نے حجاج کے حکم پر متشابہ حروف پر علامت لگائی (۳۱) جاحظ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی کتاب "الامصار (۳۲) میں کہتا ہے کہ نصر بن عاصم قرآن کا پہلا نقطہ گزار ہے اور اس کو نصر الحروف پکارا جاتا ہے۔ (۳۳) مگر ابو عمر والدانی کہتا ہے ممکن ہے بصرے کے لوگوں کے لئے یحییٰ اور نصر مصرف کے پہلے سے نقطہ گزار ہوں اور انہوں نے اس چیز کو ابوالاسود سے حاصل کیا ہو کہ وہی تھا جس نے حرکات اور تنوین کا کام کیا اور دوسرا کوئی نہیں ہے۔

ایرانیوں کا حصہ

آپ نے قرآن میں پہلے اعراب گزاروں کا ذکر پڑھا اور اس بارے میں جو اختلافات ہیں وہ بھی آپ کی نظر سے گزرے۔ اس کام کی بنیاد اور اس کی حقیقت کیا تھی' ابھی تک صحیح معلوم نہیں اور جیسا کہ علامہ دھخدا نے بھی اشارہ کیا ہے (۳۵) کہ اہل زبان کی نسبت غیر (عرب) لوگوں کو اعراب اور عربی قواعد کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کام اسی وقت شروع ہوتا ہے جب اس کی احتیاج اور ضرورت ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ممکن ہے ابوالاسود اور ان کے شاگرد یحییٰ بن یعمر ایرانی اور شیعہ ہوں۔ اعراب اور نقطہ گزاری کی مثال ان سے پہلے بھی موجود ہو۔

چنانچہ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن کی قرائت کو آسان بنانے میں شاید ایرانیوں کا بھی کچھ حصہ ہو' اس پیشرفت میں جن لوگوں کا ہاتھ تھا ان میں ہم یزید فارسی کا بھی نام پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد

بصرہ کے دانشور خلیل بن احمد کا ذکر بھی آیا ہے جو ایرانی النسل ہے۔(۳۶) وہ پہلا شخص ہے جس نے ہمزہ، تشدید، روم اور اشمال کو وضع کیا تھا۔(۳۷) گویا الفاظ کے حرکات کا طریقہ جو آج ہم دیکھتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔(۳۸)

ابو حاتم سجستانی (۳۹) بھی ایرانی تھا کہ جس نے قرآن کے رسم الخط پر ایک رسالہ تحریر کیا اور اس کا کچھ حصہ آج بھی موجود ہے۔(۴۰) ان کوششوں سے مصاحف کا رسم الخط اپنے کمال تک پہنچا اور تیسری صدی ہجری میں خوبصورتی اور زیبائی سے متصف ہوا۔

حرکات کے تعین کی تاریخ

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، ان لوگوں میں ہر ایک جو اس کام میں اول کہلاتا ہے، اس کام میں اس سے پہلے بھی ضرور کچھ پیش رفت ہوئی تھی۔ خط عربی میں بھی پہلے کچھ کام ہو چکا تھا اور ان کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اس طریقے سے قرآن میں استفادہ کیا جیسا کہ ہم دیکھ چکے کہ زیاد بن ابو سفیان نے ابو الاسود سے کہا کہ قرآن میں نقطہ گزاری کریں۔(۴۱) الفاظ کے اعراب کے لئے نقطوں سے نشان لگانے کا طریقہ قدیم کلدانیوں سے طریقہ لیا گیا تھا۔ عراق کے کلدانی یا ان کے ہمسایہ سریانی اسم، فعل اور اوپر نیچے کے حروف کی پہچان کے لئے نقطے لگاتے تھے۔ مگر ابو الاسود حرکات کے تعین کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ عام طور سے معروف نہیں تھا یا لوگ بھول چکے تھے اور اس کا رواج باقی نہیں رہا تھا تاہم اس بات کا امکان ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ کلدانیوں سے لیا ہو اور قرآن کے لئے اس سے استفادہ کیا۔

سریانی خطوط دراصل فینقی حروف تہجی سے لئے گئے تھے اور ان میں حروف کے حرکات کی علامات نہیں ہوتی تھیں۔ سریانی مدتوں ایسے حروف میں لکھا کرتے جن میں ان کی حرکات کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ جب عیسائی ہوئے تو کلیسا میں انجیل پڑھنے کے لئے ان کو غلط تلفظ سے پاک تحریر پڑھنے کی ضرورت پیش آئی۔ کتاب مقدس کا غلط پڑھا جانا ان کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا اور بعض اوقات کفر اور زندقہ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حروف کے اوپر نیچے نقطے لگانے شروع کئے اور یہ چیز سریانی عیسائیوں کی نسطوری اور یعقوبی میں تقسیم سے پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ نسطوریوں کے یہاں اس میں بہت پیشرفت ہوئی اور یہ تمام سریانی تحریروں میں رواج پا گیا۔(۴۲) عبرانیوں نے بھی سریانیوں کا یہ طریقہ اپنایا اور اپنی مذہبی کتابوں میں نقطہ گزاری شروع کر دی۔(۴۳) اس طرح سامی قوم کے ان